ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

ماہ پارہ صفدر کی غزل کے فنی محاسن

فاخرہ یاسمین
ایم فل سکالر، شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، رحیم یار خاں کیمپس
ڈاکٹر محمد ریاض عابد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول نگر کیمپس
ڈاکٹر ریاض حسین
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو و اقبالیات، اسلامیہ یونیورسٹی، رحیم یار خاں کیمپس

Abstract:
Mahpara Safdar is a well-known former newsreader, column writer and journalist. She joined PTV news as newscaster in 1977 and radio Pakistan news in 1980.In 1990, she joined BBC and served BBC Urdu service 25 years. In BBC she presented various programs as presenter and researcher. She also wrote columns for BBC Urdu website. The columns about her memories are liked by people. People considered her memories as their own memories. So, she thought to share all his memories with her fans and followers. She published her autobiography titled ***"Myra Zamana Myri Kahani"*** *in 2022 by Jhelum Book Corner. Her autobiography has three parts. In first section she elaborated her childhood and college life with her family and society in 1960 -1970. In second section she presented her university life with the era of 1970 – 1980. In this section she also wrote her memories regarding political history in which she remained part and eye witness of those crucial incidents. In third section, she described her experiences as journalist in London with BBC Urdu Service. She was awarded appreciation certificate on her two series titled "Khatoon Mashriq Maghrib main and Baluchistan Series" appreciated in BBC Urdu Service. She included her poetry in her autobiography al*so.

Key words: Mahpara Safdar, autobiography, poetry, analytical study of Mahpara poetry, poetic grammatical view, funny o Fikry jaiza, mahaasin sukhan

اگر یہ کہا جائے کہ اُردو زبان میں شاعری کو اولیت حاصل ہے تو شائد غلط نہیں ہو گا۔ شاعری میں ویسے تو بہت سی اصناف ہیں لیکن غزل کو ہر دور میں عروج حاصل رہا ہے، پھر چاہے وہ کلاسیکی عہد ہو، ترقی پسند ہو یا جدیدت پسندی کا عہد ہو غزل نے ہر دور میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ لیکن غزل کہنے کے لیے علم عروض کا علم ہونا بے حد ضروری ہے کیونکہ اگر بحور کا علم نہیں ہو گا تو غزل کہنا مشکل ہی نہیں بلکہ نہ ممکن ہو جاتا ہے۔ بحر شعر کے آہنگ یا وزن کو ماپنے کا پیمانہ ہے جو شعر کے وزن کو درست اور متعین کرتے ہیں۔ بحر عموماً غیر شعوری طور پر متعین ہوتی ہے۔ شعراء مصرعے کو گنگنا کر ہی اس کی بحر کو متعین کر لیا کرتے تھے اور اور اس کے آہنگ کو درست کر لیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں رقمطراز ہیں:

> "انہیں اجزائے ترکیبی سے اس کا اختصار، کیفیاتی وحدت اور موسیقیت متعین ہوتی ہے جس سے غزل کا مخصوص ایمائی اور رمزیہ انداز بنتا ہے۔"(1)

غزل میں عموماً فصاحت و بلاغت اہم موضوع ہے۔ فصاحت و بلاغت اسقدر اہم ہے کہ غزل کی باریکیوں سے ناآشنا قاری بھی یہ بصیرت رکھتا ہے۔ شاعری نثر سے پہلے وجود میں آئی اس لیے شاعری کو اُم الکلام مانا جاتا ہے۔ اُم الکلام ہونے کی حیثیت سے اس کی اہمیت دوگنا ہو جاتی ہے۔ فصاحت و بلاغت ازل سے ہی شعراء کی نظر میں رہی ہے۔ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اس کو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اس کو کہتے ہیں۔۔۔

فصاحت: سادہ الفاظ میں فصاحت کا تعلق سمجھ آنے سے منسوب ہے اور سمجھ آنے کے لیے الفاظ کا ظاہری حسن و ترتیب لازم ہے۔ اس طرح اثر انگیز کلام کے لیے معنی کی گہرائی لازم ہے کیونکہ اثر آفرینی کا تعلق باطنی حسن سے ہے جو معنی تخیل میں پوشیدہ ہیں اسے بلاغت کہتے ہیں۔ حالی نے تخیل، مطالعہ کائنات اور تفحص الفاظ کو شاعری کے لیے بنیاد قرار دیا ہے۔ شبلی رقمطراز ہیں:

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

"کلام کی فصاحت میں صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب میں آئے ان کی ساخت ہیت، نشست، سبکی اور گرانی کے ساتھ ان کو خاص مناسبت اور توازن ہو ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی۔"(2)

فص الفاظ سے مراد الفاظ کا فصیح یا غیر فصیح ہونا ہے۔ فصیح الکلام میں الفاظ کی حسن ترتیت کے ساتھ حسن انتخاب بھی ضروری ہے۔ الفاظ کی ترتیب سے شعر، مصرع یا جملہ میں دلکشی اور شستگی پیدا ہوتی ہے۔ فصاحت کا تعلق حسن انتخاب اور حسن ترتیب سے ہے اور اسی سے کلام میں روانی اور شیرینی پیدا ہوتی ہے۔ غزل میں شعرا قافیے اور وزن کا خیال رکھتے ہیں اس لیے بسا اوقات فطری روانی پر سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ قافیے اور وزن کے توازن میں فطری روانی کو برقرار رکھنا ہی کسی بھی شاعر کے لیے مشکل اور آزمائش طلب امر ہے۔ قاری کو معنی کی رسائی اور تخیل کی گہرائی کے لیے شعر کو نثر میں بدلنا پڑے تو کلام میں فصاحت کم ہو جاتی ہے۔ فصاحت کی اس خوبی کے بارے میں پروفیسر مسعود حسین رضوی لکھتے ہیں:

"لفظوں کی ترتیب قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہو یعنی اگر شعر کی نثر کریں تو بھی لفظ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ محاورے اور روز مرے کی پابندی شعر میں حسن اور اثر پیدا کر دیتی ہے اور اس سے خاص وعام لطف اٹھاتے ہیں۔"(3)

ماہ پارہ اگرچہ باقاعدہ شاعرہ ہیں ہیں تاہم انہوں اپنی آپ بیتی میں کچھ غزلوں کو بھی شامل کیا ہے جو یقیناً اُن کے جذبات کا اظہار ہیں۔ ماہ پارہ صفدر کی غزلوں کا جائزہ لیں تو منکشف ہوتا ہے کہ ان کی غزلوں میں فصاحت بھی موجود ہے۔ ان کا کلام تصنع سے مبرا اور سادگی و سلاست کا حامل ہے۔ بناوٹ اور تکلف سے پاک کلام ہی سادہ اور سلیس ہوتا ہے اور ایسے کلام میں فصاحت بڑھ جاتی ہے۔ ان کی ہر غزل میں فصیح اشعار مل جاتے ہیں۔ بعض غزلیں مکمل اشعار کے ساتھ فصاحت کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔ ان کی کچھ غزلوں میں کچھ اشعار کی ترتیب نثر کرنے پر بھی وہی رہتی ہے جو شاعرہ نے رکھی ہے۔ بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جن کی نثری ترتیب شعر سے مختلف ہے۔ ان کی متعدد غزلوں میں مطلع نثری ترتیب میں ہی شعر میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے تمام غزلیں فصاحت کے معیار پر پورا نہیں اترتی ہیں۔ ان کی درج ذیل دو غزلیں مکمل طور پر فصاحت کے معیار پر پورا اترتی ہیں۔

زندگی چیختی سنائی دے
جسے ہر شخص یاں دکھائی دے
(4)

ٹھوکریں کھا کے سنبھل جاتے ہیں
لوگ ناداں ہیں بہل جاتے ہیں
(5)

ماہ پارہ کے بہت سے اشعار میں فطری روانی اور تسلسل ہے۔ موزوں نثر سی روانی ہی کلام کی فصاحت کی سند ہے۔ شعر میں اس قدر روانی نہ ہو کہ نثر کا گمان ہو۔ غزل میں عوامی زبان کے استعمال سے برجستگی اور بے ساختہ پن آتا ہے۔ ماہ پارہ کی غزلوں میں بے ساختگی اور عوامی زبان کا استعمال کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ عوامی زبان اور روز مرہ کے محاورہ میں بھی تو شاعر کو محتاط ہونا پڑتا ہے کیونکہ شعر کے لیے اچھا محاورہ وہی ہے جو ہر زمانے میں زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ غالب کی شاعری میں سادگی، سلاست اور روانی کے ساتھ محاورے آج بھی زندہ ہیں۔

بلاغت: فصاحت و بلاغت عموماً مترادفات سمجھے جاتے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے۔ کسی کلام میں فصاحت ہونا ضروری ہے لیکن فصاحت کے لیے بلاغت لازم نہیں ہے۔ بلاغت سے مراد فصیح کلام موقع محل کے مطابق ہو اور معنی کی گہرائی رکھتا ہو۔ بلاغت فصیح کلام کو درجہ کمال تک پہنچاتی ہے۔ فصاحت سے کوئی کلام بھی مرتبہ کمال تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ بلاغت محض الفاظ کے معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں معنی کے ساتھ بیان اور بدیع بھی شامل ہیں۔ بلاغت چار علوم پر مبنی ہے۔ (1) علم بیان (۲) علم بدیع (۳) علم عروض (۴) علم قافیہ۔ کلام کی بلاغت کو پرکھنے کے لیے عناصر بلاغت کی کھوج لگائی جاتی ہے۔ بقول شمس الرحمن فاروقی:

"جس صورت حال کا نام بلاغت ہے وہ بعض مخصوص حالات میں پیدا ہوتی ہے اور مخصوص حالات کا مطالعہ مختلف علوم کے تحت ہوتا ہے ان علوم کو مختصر علوم بلاغت کہتے ہیں لہذا اگر کوئی تحریر ان علوم کی روشنی میں جنھیں علوم بلاغت کہا جاتا ہے خوب صورت ٹھہرے تو اسے بلیغ کہا جائے گا۔"(6)

کسی بھی کلام میں بلاغت کا جائزہ انہی چار علوم کی بنیاد پر لیا جاتا ہے۔ غزل میں عموماً شعرا علوم بلاغت سے تشبیہ واستعارہ استعمال کرتے ہیں۔ غزل کا حسن اختصار میں ہے۔ مختصر الفاظ میں تخیل کو پیش کرنے کے لیے تشبیہات و استعارات کو استعمال کرنا روایت ہے۔ ماہ پارہ صفدر نے بھی تشبیہات اور استعارات کو استعمال کیا ہے۔ تشبیہات ازل سے ہی شاعری میں مستعمل ہیں۔ روایتی تشبیہات معشوق کے حسن، سراپا اور ناز و ادا کے لیے مستعمل رہی ہیں۔ مگر غزل کی فکری دائرے میں وسعت کے ساتھ تشبیہات میں بھی وسعت آئی۔ روایتی تشبیہات نئے معنوں میں استعمال ہوئی۔ غزل میں سماجی مسائل کی آمد سے نئی تشبیہات بھی سامنے آنے لگی ہیں۔ ماہ پارہ نے محبوب کے حسن و سراپے کو غزل میں جگہ نہیں دی ہے اس لیے روایتی تشبیہات کا استعمال بھی کم نظر آتا ہے۔ داخلیت کے اظہار میں شاعرہ نے کچھ تشبیہات استعمال کی ہیں۔

کس طرح سے دیکھے گا کوئی لفظوں کے چہرے
پتلی کی طرح آنکھ میں بند ہو گئی اواز

(7)

بکھرے ہوئے تھے ٹوٹ کے اندر سے اس طرح
ہو کر الگ گلاب سے جیسے کلی رہے

(8)

تو بچپنے میں سلاتی تھی ماں مجھے جیسے
پھر آج آکے چھپالے اپنی رداؤں میں

(9)

دور سے چمکوں گی مانند صدف میں ریت پر
ساحلوں پہ لوگ ڈھونڈیں گے لہر ہو جاؤں گی

(10)

غزل میں استعارہ سازی تخیل سے مربوط ہے۔ استعارے وعلامات سے ہی غزل میں تخیل کی پیشکش کی جاتی ہے۔ شعرا کی تخلیقی قوت کا اظہار ہی استعادہ سازی سے ہوتا ہے۔ لفظ مجازی معنوں میں کہیں تشبیہ کا روپ دھارتا ہے تو کہیں استعارہ بنتا ہے۔ استعارہ سے آگے بڑھتا ہے تو علامت بن جاتا ہے۔ تشبیہ اور استعارے میں فرق سہل ہے مگر استعارہ اور علامت میں تفریق پیچیدہ عمل ہے۔ استعارہ دو الگ اشیا کا موازنہ ہے اور مستعار لہ کے بغیر ممکن نہیں۔ علامت استعارے سے زیادہ بلیغ ہے اور وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ لفظوں کے معنی صدیوں کے سفر میں علامتی شکل اختیار کرتے ہیں۔ پروفیسر مظفر شمیری لکھتے ہیں:

"استعارے اور علامت میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں صرف اور صرف مجازی معنی مراد لیے جاتے ہیں جب کہ علامت میں دونوں معنی مراد لینے کا التزام ہوتا ہے۔ صحت مند علامت نگاری کے لیے یہ ضروری ہے کہ اول اس میں لفظ کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی ٹھہریں، ثانیا اس میں کثیر المعنویت کی گنجائش ہو۔"(11)

اردو ادب میں متعدد الفاظ فارسی سے مستعار ہیں جن کی علامتی حیثیت اب متعین ہو چکی ہے۔ گل و بلبل تغزل میں عاشق و معشوق کا استعارہ ہے تو بلبل کی نغمہ سرائی اب عاشق کی آہ زاری کی علامت ہے۔ شمع و پروانہ میں شمع معشوق کے ساتھ اب سوز و گداز کی علامت ہے۔ پروانہ عاشق کا استعارہ ہے تو معشوق پر جاں فدائی کی بھی علامت ہے۔ بلحاظ معنی استعارے اور علامت میں تفریق کرنا آسان ہے۔ استعارہ سے صرف مجازی معنی مراد ہوتا ہے۔ جبکہ علامت میں حقیقی اور مجازی معنی دونوں مراد ہوتے ہیں۔ صحت مند علامت حقیقی اور مجازی معنی کے ساتھ کثیر المعنویت پر مبنی ہوتی ہے۔ ماہ پارہ صفدر نے غزلوں میں مختلف استعارے استعمال کیے ہیں۔ چراغ، کاجل، پتھر، ناگ. زہر، فاختائیں، چاند، نگر، انگن، تتلیاں، خول، دھواں وغیرہ ان کی غزلوں میں مستعمل استعارے ہیں۔ عموما یہ استعارے روایتی پیرائے میں استعمال ہوئے ہیں۔

آنکھ آنگن میں دھواں بھرنے کو ہے
شمع جو ایک یاد کی جلنے لگی

(12)

اوڑھ کے نکلی تنہا راتیں وقت کی بے کل ساعت میں
سمٹی تھی جو خول کے اندر لڑکی کتنی سادی تھی

(13)

ہے سانس لینا بھی دشوار ان فضاؤں میں
خزاں کے ناگ زہر بھر گئے ہواؤں میں

(14)

شاعرہ نے تراکیب کا بھی خوبصورت استعمال کیا ہے۔ تراکیب سازی فارسی اور عربی سے اردو ادب میں ائی۔ دو یا دو سے زائد مفرد الفاظ کو زیر اضافت یا ہمزہ سے ملا کر مرکب لفظ کی تخلیق ترکیب سازی کہلاتی ہے۔ جس سے استعارہ بنتا ہے۔ شاعرہ نے بھی کچھ روایتی تراکیب اور کچھ نئی تراکیب تخلیق کی ہیں۔ تیشۂ سفر، شہر بیکراں، عنکبوتِ مصلحتِ وقت، سالارِ کارواں، مثالِ چراغِ شب، حصارِ جاں، حصارِ قرب، غمِ زیست، حصارِ لب، تیار رنگِ قبا، آغازِ سفر، جراتِ اظہار، خواہشِ دل، کربِ مسلسل، مرگِ آرزو وغیرہ۔

یوں عنکبوتِ مصلحتِ وقت میں گھرے
چاہیں اُتارنا بھی تو جاں پر بنی رہے

(15)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

طغیانیوں سے ٹوٹ سکا کب حصارِ جاں
کچے گھڑے میں زیست کا دریا دکھائی دے

(16)

چھڑی ہے جنگ جو اندر وہ زخم لائے گی
میں اپنے آپ کو تیار رنگِ قبا رکھوں

(17)

شعری جمالیات میں صنائع وبدائع بہت اہم ہے۔صنائع لفظی ومعنوی سے شعر کی تزئین و آرائش ہوتی ہے۔صنائع کی متعدد صورتیں ہیں مگر کچھ صنعتیں عموماہر شاعر کے کلام میں موجود ہوتی ہیں۔ان عمومی صنعتوں میں صنعتِ تکرار، صنعتِ تلمیح، صنعتِ مبالغہ وغیرہ ہیں۔غزل کے فنی جائزے میں عموما مستعمل صنعتوں کا ہی سراغ لگایا گیاہے۔

صنعتِ تضاد: صنعت تضاد کو صنعت طباق بھی کہتے ہیں۔شعر میں دو یا دو سے زائد متضاد الفاظ کا انا صنعت تضاد کہلاتی ہے۔کائنات میں خیر وشر کا مقابلہ اذل سے جاری ہے۔کائناتی مظاہرات میں بھی متضاد اجسام نمایاں ہیں۔دن-رات، اندھیرا-اجالا، سورج-چاند، بہار-خزاں اور گرمی-سردی وغیرہ۔شاعر بھی مطالعہ کائنات میں ان مظاہر کا مشاہدہ کرتا ہے تو تخیل کی پختہ بارآوری کے لیے متضاد الفاظ استعمال کرتا ہے۔ماہ پارہ صفدر نے بھی صنعت تضاد کو برتا ہے۔

دور شاخوں پہ نئی کونپلیں پھوٹی ہیں
مگر آنکھ آنگن وہی موسم ہے پرانا ٹھہرا

(18)

دل میں عداوتوں کے زہر ناگ ہیں مکیں
اور فاختائیں سر پہ بٹھائے ہوئے ہیں لوگ
آنکھوں میں انتہائے محبت لیے ہوئے
اور آستیں میں سانپ چھپائے ہوئے ہیں لوگ

(19)

کون چلے گا ساتھ ترے اس جلتی دھوپ میں
کون اتارے گا رستوں میں سایوں کی بارات

(20)

آئے جو آگ بجھانے وہ ہوا دینے لگے
ہم نے ایسے بھی یہاں چاہنے والے دیکھے

(21)

صنعتِ تلمیح: تلمیحات ہر شاعر کے کلام میں موجود ہوتی ہیں۔"تلمیحات کیاہیں؟ہماری قوم کے قدموں کے نشان ہیں جن پر چلتے چلتے ہم اپنے باپ دادا کے خیالات ،اوہام، رسم ورواج اور واقعات وحالات کا سراغ لگاسکتے ہیں۔"(23) تلمیحات سے مراد کسی بھی مشہور تاریخی، سیاسی، یا مذہبی واقعہ کی طرف لفظوں سے اشارہ کرنا صنعت تلمیح کہلاتا ہے۔تلمیحات سے کسی بھی شاعر کی ذہنی مذہبی اور سیاسی رجحان کی عکاسی ہوتی ہے۔ماہ پارہ صفدر نے مذہبی اور سیاسی تلمیحات کے ذریعے تخیل کو درجہ کمال تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔

بازار مصر لگنے لگا ہے یہ شہر بھی
انسان بک رہے ہیں اُدھر کو نہ جایئے
انسان میں پھر جرات اظہار بڑھ گئی
پھر اس کو زہر آب کا پیالہ پلایئے

(23)

گھر سے جو بھی جاتا ہے لوٹ کر نہیں آتا
بس خبر ہی آتی ہے خوں برستے موسم میں

(24)

خون کی بارش بجھانے آئی ہے
شہر جو اس دیس کے جلتے رہے
(25)

آگیا وقت وہ کہ خود منصف
جرم کے حق میں خود گواہی دے
(26)

تھا بے قصور وہیہ صلیبیں گواہ ہیں
جس کے لیے چنے گئے رسوائیوں کے پھول
(27)

طغیانیوں سے ٹوٹ سکا کب حصارِ جاں
کچے گھڑے میں زیست کا دریا دکھائی دے
(28)

غزل کا روایتی موضوع حسن و عشق ہے۔ اس موضوع کے بغیر غزل نامکمل رہتی ہے۔ غزل کے لغوی معنی بھی عورتوں کے ساتھ عشق بازی اور گفتگو کے ہیں۔ عموما روایتی غزل میں حسن و عشق، وصال و فراق، یاس و حرماں، شراب و شباب، اور تصوف و معرفت جیسے موضوعات ہوتے ہیں۔ غزل کے محبوب موضوع میں حسن کا بیان ہو تو عشق از خود موضوع بن جاتا ہے۔ حسن و عشق کو محدود کر کے غزل کو مسدود نہیں کیا جاسکتا ہے۔ جدید غزل میں ہر قسم کے موضوعات کو جگہ دی گئی ہے۔ مگر غزل کے مضامین میں وسعت کے ساتھ ہی حسن و عشق کے تفاہیم میں گہرائی کی بجائے عامیانہ اقدار رائج ہونے لگی ہیں۔ غزل کے مضامین میں وسعت نے غزل کو جدید مفاہیم عطا کیے ہیں۔

> "فارسی کی ابتدائی شاعری عشقیہ جذبے کی سرشاری میں محو تھی، ہمارے شاعروں نے اسے دل اور دلی کا مرثیہ بنا دیا۔ مرثیہ نا سہی اس میں حیات و کائنات کے مسائل ضرور در آئے ہیں۔ اردو کا شاعر ایک شعر میں ایک تجربے کے حوالے سے کئی تجربے بیان کرنا چاہتا ہے۔ یعنی اس کی فکر کسی ایک جذبے کو ابھارنے کے بجائے کئی پہلوؤں کی دریافت اور کئی مسائل کے ادراک میں لگ جاتی ہے۔"(29)

بعض شعرا کے ہاں عشق صرف جنس مخالف کی محبت اور بعض کے ہاں جسمانی تسکین تک مسدود ہے۔ عشق خدا سے ہو یا بندا خدا سے، ہمیشہ سے ہی بے لوث جذبہ رہا ہے۔ دور جدید میں عشق کے معیار بدلے تو جسمانی ہوس کو عشق کا نام دیا جانے لگا۔ غزل میں جنس پرستی کی گنجائش بھی ہے اور عشق جیسے بے لوث جزبے کی بھی۔ مگر جنس پرستی اور جسمانی ہوس کو عشق کا نام دنیا عشق کی توہین ہے۔ جنسی خواہش ایک بھوک کی مانند انسان کی جبلی ضرورت ہے۔ جبکہ عشق میں عاشقوں کو کہاں بھوک کی پرواہ ہوتی ہے۔ بہت سی شعرا کے کلام میں عشقیہ شعروں کو ایک طرف معشوق کے لیے اور دوسری طرف وہی اشعار اللہ تعالی اور اس کے رسول محمد ﷺ کے عشق میں کہے جاتے ہیں۔ غزلوں میں حسن و عشق کی روایت کے بعد واضح ہوتا ہے کہ حسن و عشق ابتدا سے ہی پاکیزہ اور متنوع موضوع رہا ہے۔ جس کے ہزار روپوں نے عشق کے ہزار روپوں کو جنم دیا تو غزل میں بھی عشق کے ہزار روپ جلوہ گر ہوئے۔ اسی جذبے محبت سے سرشار ہو کر ماہ پارہ صفدر کی غزل میں زمان و مکاں کی خوبصورتی، موسموں کی شرارتیں، زندگی کی تلخ حقائق، ہجر و وصال اور یاد جیسے جزبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ماہ پارہ صفدر کی غزلوں میں روایتی رنگ بھی نمایاں ہے۔ ماہ پارہ کی غزلوں میں حسن و عشق کی قدر و منزلت پر کھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماہ پارہ کی محبت میانے درجے کا عشق ہے جس سے ہر ذی روح کو واسطہ پڑتا ہے۔ اسی جذبہ عشق میں وہ زندگی کی پنہاں صداقتوں سے آشنا ہوتا ہے۔

ہے اک پل کی کہانی محیط صدیوں پر
عجب یہ راز کھلا ہجر کی اداؤں میں
(30)

محبت کی جستجو اور اسے حاصل کرنے کی تگ و دو میں عاشق صبح و شام کار جہاں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ محبوب سے ملاقات نہ ہونے تک عاشق یادوں کے صحراؤں میں گھومتا رہتا ہے اور اسے ان یادوں سے نکالنے والا اس کا محبوب ہی ہوتا ہے۔ جسے پانے کے لیے اور دیدار کے لیے اس کی انتظار کی گھڑیاں طویل ہو جاتی ہیں اور اس کے دل و جاں مضطرب ہو جاتے ہیں۔ ماہ پارہ بھی ایسے ہی کچھ کیفیات کا اظہار کرتی ہیں۔

اے محبت تیرے امکاں کو بھی پانے کے لیے
یاد صحراؤں کو آنکھوں میں سمونا ٹھہرا
(31)

محب محبوب کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اسے محبوب کی ہر چیز اور ہر ادا سے محبت ہونے لگتی ہے۔ محب کے لیے دنیا سے بڑھ کر پیارا اس کا محبوب ہی ہوتا ہے۔ جس کے ناز اٹھاتے ہوئے بھی وہ نہیں تھکتا اور محبوب کے پیار سے بھر کر اسے کچھ عزیز نہیں ہوتا۔ حتی کی محبوب کی ناراضگی وبال جان بن جاتی ہے اور اسکی ناراضگی پر بھی محب کو پیار آرہا ہوتا ہے۔ محبوب سے ناراضگی کے بعد اگر تھوڑی سی بھی دوری پیدا ہو جائے تو محب کے توہمات اسے پریشاں کرنے لگتے ہیں۔ ماہ پارہ بھی ایسے احساسات کا اظہار کرتی ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

وہ جس کی رنجشوں میں بھی زمانے بھر کا پیار تھا
نجانے اب وہ شخص ہم کو کب ملے کہاں ملے

(32)

محبوب کو پانے کے لیے محب اللہ سے رجوع کرتا ہے۔ محبوب کو اپنانے کے لیے وہ کبھی وسوسوں کا شکار ہوتا ہے تو کبھی پر امید ہو جاتا ہے۔ زرا سی بات بھی محبوب کی جدائی کا خوف اس کے دل میں ڈال دیتی ہے۔ ماہ پارہ کی غزلوں میں بیشتر اشعار میں محبوب کو تہجد میں مانگنے کا ذکر، اس کی جدائی کا خوف اور بلآخر محبوب کو پانے کی خوشی ملتی ہے۔

نصیب بن نہ سکا وہ جو ساتھ ساتھ چلا
اثر رہا نہ میری نیم شب دعاؤں میں

(33)

زندگانی نام تیرے کر سکوں
دل میں بس یہ آرزو رہنے لگی

(34)

جاگتی انکھ سے جو دیکھا تھا
تم میرا وہی خواب ہو جیسے
جو دعا نیم شب میں مانگی تھی
اس دعا کا جواب ہو جیسے

(35)

امید و یاسیت انسانی زندگی میں دو رویے ہیں۔ معاملہ محبت کا ہو یا روزگار کا انسان کا ان جزبات سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ رجائیت پسندانہ رویہ انسانی سرشت میں شامل ہے۔ شعرا کے کلام میں رجائیت ابتداء ہی موجود ہے۔ عشق و محبت کے معاملات میں امید و یاسیت کے جزبات محب کو ستاتے رہتے ہیں۔ کارواں زندگی میں ماہ پارہ نے بیشتر لمحات میں امید و یاسیت کا سامنا کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں پروین شاکر کی شاعری کا رنگ بھی نظر آتا ہے۔ محبت، رجائیت اور امید و یاسیت بھی جھلکتی ہے۔

بکھرے ہوئے تھے ٹوٹ کے اندر سے اس طرح
ہو کر الگ گلاب سے جیسے کلی رہے

(36)

وہ راہ کھوجتا شاید ادھر نکل آئے
میں اپنے ہاتھ میں جگنو کوئی جلا رکھوں

(37)

وقت کے تغیرات انسانی جذبات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ خارجی واقعات داخلی احساسات میں ڈھل کر شاعری یا نثر کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ شاعر و ادیب عموما حساس طبع ہوتے ہیں اور اپنے زمانے کے حالات و واقعات کو محسوس کرتے اور پرکھتے ہیں۔ فن کار بدلتی اقدار کا نبض شناس ہونے کے ساتھ حالات و واقعات، مصائب و مشکلات اور رنج الم سے بھی نبرد آزما ہوتے ہیں۔ ہجرت کے مصائب، فسادات، معاشرتی اقدار کا تغیر اور اخلاقی گراوٹ اس جدید زمانے کے اہم مسائل ہیں۔ ماہ پارہ صفدر کے کلام میں انسانی رویوں کی تبدیلی و تغیر کو موضوع بنایا گیا ہے کہ ان کی غزل میں انسانی سرشت کے دوہرے معیار اور اقدار کی تنزلی جیسے موضوعات شامل ہیں۔ دور جدید کا سب سے نازک مسئلہ انسان سے انسانیت روٹھ گئی۔ آسمان کی بلندیوں کی جستجو میں انسان زمین کی پستیوں میں اترتا جا رہا ہے۔ حضرت انسان نے زمین سے تعلق توڑا تو احساس سے بھی تعلق ٹوٹ گیا۔ حساس قلب خود غرضی سے بھر گئے۔ منافقانہ سرشت عام ہوئی تو خلوص ناپید ہوا۔ محبت کا پرندہ بھی اس بستی سے کوچ کر گیا۔ احساس کی جگہ بے حسی نے لی تو درد مند لوگ نایاب ہو گئے۔ حضرت انسان نے دوہرے معیار کا پرچار کیا۔ مادی ترقی میں انسانی قلب خلوص و احساس سے معطر ہونے کی بجائے خود غرضی اور انا سے لبریز ہوئے۔ انا کی آگ میں جھلستے انسان کے قلب میں عداوتوں کا زہر بھرنے لگا۔

دل میں عداوتوں کے زہر ناگ ہیں مکیں
اور فاختائیں سر پہ بٹھائے ہوئے ہیں لوگ

(38)

منافقانہ روش عام ہوئی۔ زبان پر مٹھاس، آنکھوں میں محبت رکھنے والے لوگ دلوں میں بغض، نفرت اور دشمنی کے جزبات رکھتے ہیں۔ انسان نے ایسی دوہرے معیار کی چادر اوڑھ لی کہ انسان کو پرکھنا دشوار ہوتا گیا۔ زندگی کے سفر میں ایسے چہروں میں وقت ایسے عنصر ہے جو سب چہروں مہروں کی حقیقت سامنے لاتا ہے۔ انسانی سرشت میں غرض حاوی ہونے کی وجہ سے اخلاقی معیار گر گئے۔ انسان غرض کی تکمیل تک زبان و دل سے چاہتوں کا اظہار کرنے لگا اور حصول غرض کے بعد وہی لوگ حریفوں کی صف میں شامل ہو گئے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.7 No.2 2024

نظر کے سامنے منظر کئی بدلتے رہے
سفر کی دھوپ میں انجان لوگ بنتے رہے

(39)

اس زمانے کے سیاسی حالات بھی موضوع غزل بنائے گئے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق آمرانہ دور میں استعاراتی وعلامتی شاعری اور نثر تخلیق ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ بھی اپنے جزبات کی ترجمانی کرتی ہیں۔:

منزل پہ بھی پہنچ کر اندھرا دکھائی دے۔
سالار کا رواں تو لٹیرا دکھائی دے
روشن تھا جو بدن میں مثالِ چراغ شب
وہ آخری چراغ بھی بجھتا دکھائی دے

(40)

ماہ پارہ نے قیام پاکستان کا سانحہ دیکھا تو نہیں مگر اس کے مضمر اثرات جھیلے ہیں۔ ان کی شاعری میں قیام پاکستان کے سانحہ اور فسادات کا رنج والم تو نظر نہیں آتا مگر فکر معاش کی تلاش میں ان کی ہجرت کے بعد وطن کی یادیں عیاں ہوتی ہیں۔ ان کی شاعری میں حب الوطنی کا رنگ نمایاں ہے۔ بہتر مستقبل کی جستجو میں وہ وطن سے پار گئی اور تین سال کا قیام تیس سال کے قیام میں بدل گیا۔ وطن سے دوری میں وہ اپنے پیاروں کے قرب اور یاد کو آنکھوں میں سجائے تنہائی کاٹتی رہیں۔

ماہ پارہ صفدر دو بچوں کے ساتھ تن تنہا لندن پہنچی۔ انھیں ایئر پورٹ پر بھی کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ پردیس میں معمولات زندگی میں مشکلات کے ساتھ اجنبیوں میں رہتے ہوئے اپنائیت، خلوص اور محبتوں کی کمی نے ان کی تنہائی میں اضافہ کر دیا۔ اپنا وطن انھیں محبتوں اور اپنائیت کی سرزمیں لگنے لگا جہاں ان کی زندگی اپنوں کے ساتھ بسر ہوئی تھی۔ تنہائی میں انھی یادوں کو یاد کر کے کبھی وہ مسکرا جاتی اور کبھی آنسو بہاتی۔ اسی وجہ سے پرائے دیس میں اپنائیت اور محبت کی تلاش بھی انھیں مایوس کر دیتی۔

محبتوں کی چاندنی کھلی ہے اپنے دیس میں
پرائے در نظر نظر نگر نگر دھواں ملے

(41)

اس شہر بیکراں میں جو آکر کبھی رہے
یوں تو رہے وہ ساتھ مگر اجنبی رہے

(42)

وطن سے دوری اور تنہائی میں ان کی ان غزلوں میں یاد کا عنصر غالب ہے اور اس یاد میں ناصر کاظمی کی اداسی اور سوگواری نظر آتی ہے۔

بجھی ہے چاندنی اب کے تو چاند موسم میں
میں کس واسطے کھڑکی کا در کھلا رکھوں

(43)

ان کے شعر پڑھ کر اندازہ لگانا مشکل ہے کہ زیر مطالعہ غزلیں شاعر کی ہے یا شاعرہ کی۔ نسوانی آواز کا اظہار محض چند اشعار میں اور ایک غزل میں ہوتا ہے۔ انہوں نے تخلص کا استعمال بھی کم سے کم کیا ہے۔ ماہ پارہ نے غزلوں میں صرف دو اشعار میں تخلص استعمال کیا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ قلم اک شاعرہ کے ہاتھ میں ہے۔

روشنی بنتی رہوں گی تارا تارا سانس بھر
جو کبھی بجھنے نہ پائے وہ سحر ہو جاؤں گی۔

(44)

چاندنی راتوں میں ماہ پارہ رنگ بھی ہم نے بانٹے تھے
خواب دریچے کھول دیے جب تب وہ خوشبو پھیلی تھی۔

(45)

ماہ پارہ صفدر نے اپنے زمانے کے تشنہ طلب موضوعات کو غزل میں سمونے کی سعی کی ہے۔ ان کی غزل میں عشق ومحبت کا سرور ہے تو محبوب سے بچھڑنے کا غم بھی جھلکتا ہے۔ سماجی مسائل کا نوحہ ہے تو سیاسی مسائل سے آگہی بھی۔ وہ اپنے زمانے کی نبض شناس ثابت ہوئی ہیں کہ انھوں نے مارشل کا جبر وستم اور اس کے مضر اثرات، سماجی مسائل میں بدلتی اقدار کا نوحہ، بدگمانی، مایوسی اور کہیں امید کا ٹمٹماتا دیا، منزل کی جستجو اور سفر کی مسافتیں، وطنیت اور پردیس میں وطن کی محبت، یاد اور تنہائی کا احساس جیسے مضامین کو پیش کیا ہے۔ مشینوں کی جدت نے ابن آدم کی سرشت میں بھی خود غرضی، انا، منافقت، حرص، لالچ بھر دیا۔ اخلاص دکھاوے سے بدلا تو اخلاق کا پیمانہ دولت اور مفاد پرستی ٹھہرا۔ ماہ پارہ کی غزل کے فکری دائرہ میں انسانی رویوں کی پامالی اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ کو برتری حاصل ہے۔ موجودہ دور میں روبی زوال انسانی اخلاقی اقدار کا نوحہ غزل کا اہم موضوع ہے۔ ماہ پارہ کی غزل کی فکر میں اس موضوع کی بھی خاصی اہمیت ہے۔

حوالہ جات

1. مسعود حسین خاں، ڈاکٹر، غزل کا فن مشمولہ اردو شاعری کا فنی ارتقا، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاوس، دہلی، 1994 ص 80
2. شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر، لالہ رام نارائن لعل بک سیلر الہ آباد، 1936، ص 38
3. مسعود حسین رضوی ادیب، ہماری شاعری، وارث مطبع نول کشور لکھنؤ، 1959، ص 43
4. ماہ پارہ صفدر، میرا زمانہ میری کہانی (جہلم: جہلم بک کارنر، دسمبر، 2022ء) ص ۴۵۵
5. محولہ بالا، ص ۴۴۵
6. شمس الرحمن فاروقی، درس بلاغت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2014، ص 12
7. محولہ بالا، ماہ پارہ صفدر، میرا زمانہ میری کہانی، ص ۴۳۹
8. محولہ بالا، ص ۴۳۵
9. محولہ بالا، ص ۴۴۰
10. محولہ بالا، ص ۴۹۴
11. مظفر شمیری، کاوشِ فکر، معراج پبلیکشنز حیدرآباد، 2009، ص 22
12. محولہ بالا، ماہ پارہ صفدر، میرا زمانہ میری کہانی، ص ۴۳۵
13. محولہ بالا، ص ۴۵۱
14. محولہ بالا، ص ۴۴۹
15. محولہ بالا، ص ۴۴۰
16. محولہ بالا، ص ۴۳۵
17. محولہ بالا، ص ۴۳۶
18. محولہ بالا، ص ۴۴۰
19. محولہ بالا، ص ۴۳۷
20. محولہ بالا، ص ۴۳۸
21. محولہ بالا، ص ۴۴۱
22. وحید الدین سلیم، مولوی، افادات سلیم، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ص 106
23. محولہ بالا، ماہ پارہ صفدر، میرا زمانہ میری کہانی، ص ۴۵۸
24. محولہ بالا، ص ۴۴۶
25. محولہ بالا، ص ۴۴۹
26. محولہ بالا، ص ۴۵۴
27. محولہ بالا، ص ۴۵۵
28. محولہ بالا، ص ۴۵۷
29. معید رشیدی، جدیدیت اور غزل، ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، نئی دہلی، 2002، ص 29
30. محولہ بالا، ماہ پارہ صفدر، میرا زمانہ میری کہانی، ص ۴۳۶
31. محولہ بالا، ص ۴۴۰
32. محولہ بالا، ص ۴۳۶

33. محولہ بالا، ص۴۳۴

34. محولہ بالا، ص۴۴۰

35. محولہ بالا، ص۴۵۱

36. محولہ بالا، ص۴۴۳

37. محولہ بالا، ص۴۳۵

38. محولہ بالا، ص۴۳۹

39. محولہ بالا، ص۴۳۸

40. محولہ بالا، ص۴۵۰

41. محولہ بالا، ص۴۳5

42. محولہ بالا، ص440

43. محولہ بالا، ص448

44. محولہ بالا، ص448

45. محولہ بالا، ص448